

محبت و حقد

کروڑوں کی تعداد

11

”یہ بخاری لاج ہے جہاں بخاری صاحب اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، اگر آپ اس قیامی کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو آئیے اندر چلتے ہیں۔ گیٹ کھلتے ہی آپ کو ایک خوبصورت سرسبز لان نظر آئے گا، یقیناً لان کی دلکش آرائش ترتیب اور خوبصورتی دیکھ کر آپ مینوں کی خوش فوٹی اور محنت کو سراہیں گے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ یہ سارا کمال مینوں کا نہیں، مالی کا ہے۔ اس گھر میں بسنے

ناولٹ



والے آرائش و خوبصورتی اور محنت کو پسند ضرور کرتے ہیں لیکن اس آتش میں بے خطر کو پڑیں، ایسا قیامی نہیں۔ لان کے بالکل سامنے تین سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ایک چمکدار چکنے فرش والا برآمدہ ہے، آپ برآمدے کے سامنے والا لکڑی کا بڑا سا منقش دروازہ کھولیں اور اندر چلے آئیے، یہاں آپ کو ایک بیل کمر نظر آئے گا، یوں تو گھر کے افراد اسے نی وی لائن سمجھ سکتے ہیں لیکن آپ اسے کچھ بھی کہہ سکتے ہیں ڈرائنگ روم، سٹنگ روم، میٹنگ روم جو بھی آپ سمجھ لیں، کمرے کی دیدہ زیب ڈیکوریشن اور لشکارے مارے ہوئے فرنیچر کی صفائی اپنے ہاتھوں سے نہیں بلکہ ملازمہ کے ہاتھوں پر کڑی نظر رکھ کر کرائی جاتی ہے یہ ملازمہ اس گھر میں برسوں سے رہ رہی ہے نام صاف ہے مگر صبر نام کو نہیں، گھر میں کھانا سب سے پہلے صاف کھاتی ہے مالکان نے کھانا کھایا یا نہیں اس بات محترمہ کو رتی برابر پروا نہیں۔ ہال کمرے کے دائیں طرف کارنر میں کچن ہے جہاں صرف اور صرف بخاری کی راج دھانی ہے۔ یہاں سے جو بھی چپک نکلتی ہے۔ وہ انہیں کے ہاتھوں کی تخلیق ہوتی ہے اس راج دھانی میں کسی کو بھی قدم رکھنے کی اجازت نہیں حتیٰ کہ ان کی جواں سال بیٹی کو بھی نہیں اور یہ حضرت جو سامنے صوفے پر بیٹھے ہیں، جن کی میز پر رکھی ہوئی ٹانگیں نی وی پر چلتے ہوئے میوزک سے زیادہ تیز چل رہی ہیں۔ یہ ماشاء اللہ مسز بخاری کے اٹھارہ سالہ نوجوان بیٹے ہیں۔ یہ کثرت سے نی وی کے سامنے رہنے کی وجہ سے چوہیں کھٹے فلموں کے زیر اثر

رہتے ہیں۔ لہذا ان کے منہ سے آپ کو کبھی بھی عام گفتگو سننے کو نہیں ملتی۔ آپ کو یہ زبان ہر وقت ڈانڈا گزرتی نظر آئے گی۔ موصوف اس وقت بہت مصروف ہیں کیونکہ اے آر وائی چینل پر ”میرا“ کا انٹرویو چل رہا ہے لہذا وہ اس وقت ہمیں بالکل لفٹ نہیں کرا سکیں گے۔ آئیے ہم آگے چلتے ہیں۔

یہ جو بامیں ہاتھ پر ڈارک براؤن دروازہ ہے اسے بلا جھجک کھول دیجئے۔ اب اندر آجائیے، کمرے کی تزئین و آرائش دیکھ کر گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اس کمرے کے مکیں کو ”بے شرم“ مت کہیے بلکہ اس کے اعلیٰ فوق کی داد دیجئے۔ (یہ زریں اقوال کمرے کی مالکہ کے ہیں) جو کچھ آپ نے دیکھا ہے۔ وہ ہم بھی دیکھ رہے ہیں۔ دروازے کی بلیک سائیڈ پر ”کنگ آف اشائل“ ”شان“ کا قد آور پوسٹر چسپاں ہے جس میں محترم نے شرٹ اتار کر کندھے پر لٹکا رکھی ہے۔ دروازے کے بالکل ساتھ والی دائیں دیوار پر ”ہمایوں سعید“ اپنی فطری فلرٹ طبیعت سے مجبور مستانی آنکھوں سے سامنے دیکھ رہے ہیں۔ اس طرف آئیے بیڈ کی بلیک سائیڈ پر ”۲ براہ الحق“ اپنی شرٹ اور چمکتی ہوئی بلیک جیکٹ کے کنارے کھولے مائیک پر گنگنا رہے ہیں۔

آئسہ عشوہ بخاری صاحبہ اس وقت بستر پر نیم دراز ڈائجسٹ پڑھنے میں مصروف ہیں یہ ابھی پچھلے ہفتے کی اے کے پیپر زدے کرفارغ ہوئی ہیں۔ مشاغل ان کے جو ہیں وہ آپ جان ہی چکے ہیں ذاتی طور پر یہ کیا سوچتی ہیں وہ بھی ہم آپ کو بتا دیتے ہیں۔

۱۔ یہ آئیڈیلزم پر دل و جان سے یقین رکھتی ہیں۔
۲۔ اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچتی ہیں۔

۳۔ اپنے لائف پارٹنر کی جتنی خوبیاں انہوں نے اپنے دل و دماغ میں بنارکھی ہیں اس کا معیار آسمان سے جا کر ملتا ہے۔

۴۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں دوران تعلیم آسان سے آسان سب سے جیکٹ پڑھے ہیں ہمیشہ وہ کام

کرتی ہیں جس میں جان نہ مارنی پڑے۔ آسانیاں تلاش کرتی ہیں۔ قول و فعل کا تضاد نہیں۔ مرد وہ پسند کرتی ہیں جو مشکل سے مشکل کام کو چھوڑ نہیں کر لیں۔ یہ جینٹلس اور اسٹیلکونٹس پسند کرتی ہیں۔ سیدھے سادے شریف لڑکے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ خود انتہائی نازک لمبے چوڑے مردان کی آئیڈیل لسٹ پر پہلے نمبر پر ہیں۔ پاکستانی، پنجابی فلمیں فوق و شوق سے دیکھتی ہیں۔ لیکن یہ بھی چاہتی ہیں کہ مرد یہ فلمیں ہرگز نہ دیکھیں کیونکہ مردوں کے لحاظ سے محترمہ ان فلموں کے معیار سے مطمئن نہیں۔ یہ خود نہ بولنے سے بے سوچتی ہیں نہ بولنے کے بعد۔ لیکن چاہتی ہیں کہ بولنے سے پہلے اپنی بات کو سو بار تو لیں۔ یہ مخاطب سے ہر طرح کا سوال پوچھ لیتی ہیں۔ اپنے ناموں سے پوچھ رہی تھیں۔

”مرتا پریم کے بیٹے کی شکل ساحر لدھیانوی سے کیوں ملتی تھی؟“ یہ ہر وقت کسی نہ کسی چکر میں رہتی ہیں اگر موٹی ہو رہی ہیں تو ڈائجسٹنگ کے چکر۔ شہنشاہی پنجابی فلم دیکھنی ہے تو چھپانے کے ایک سوا ایک چکر۔ کورس کی کتاب میں چھپا کر ڈائجسٹ پڑھنے کے چکر۔ ”فلم چوہدرانی“ کا ایک خاص گانا بھی بہت چکر چلانے کے بعد ٹین شفٹوں میں دیکھا گیا تھا۔ چونکہ یہ ہر وقت کسی نہ کسی چکر میں رہتی ہیں لہذا انہیں تحمل اور ایڈونچر سے عشق ہے۔

ہماری کہانی کا مرکزی کردار بھی یہی ہیں، آئیے دیکھیں ہیں کہ یہ اپنی آئندہ زندگی کے لیے کیا چکر چلاتی ہیں۔

”اما! فیصل سے کیس، مجھے ییشو کے گھر چھوڑ آئے۔“ اس نے ناشے کی میبل پر بیٹھتے ہی کہا تھا۔
”ہفتے میں تین بار ییشو کے گھر جاتی ہو تم۔“ ناشے کے لوازمات سجاتے ہوئے ماما نے تنبیہ بھی لہجے میں کہا تھا۔

”مجھے کچھ ضروری کام تھا اس سے۔ صابرہ! میرے کمرے کی بیڈ شیٹ بدل دینا۔“ ماں کو جواب دینے کے

یہ جینٹس اور اسٹیلنگ کے ہیں۔ سیدھے سادے شریف ہیں بھلاتے۔ خود اہلکار کے مردان کی آئینہ دل اس پر ہے۔ پنجابی فلمیں فقط و فقط چاہتی ہیں کہ مرد یہ فلمیں ان کے لحاظ سے محترمہ ان کے مطمئن نہیں۔ یہ خود نہ بولنے کے بعد۔ لیکن چاہتے ہیں اپنی بات کو سوا بار توں سے ہر طرح کا سوال پوچھ رہی ہیں۔

یہ ہر وقت کی نہ کی ہو رہی ہیں تو ڈانٹنگ کے چکر میں ہے تو چھپانے کے ایک سو ایک چھپا کر ڈانٹتے رہتے ہیں۔ "کا ایک خاص گانا بھی بہت نفثوں میں دیکھا گیا تھا۔ چونکہ چکر میں رہتی ہیں لہذا انہیں شہوت ہے۔

ان کا مرکزی کردار بھی یہی ہے۔ آئندہ زندگی کے لیے کیا چکر چاہتے ہیں؟

پلو ایسا ہی کر لیتے ہیں۔ "وہاں تو آواز نہیں نکل سکتی، بشکل اٹھ کر وہ اس کے پیچھے چل پڑی۔

ساتھ والے کھوکھر صاحب کے گھر میں کل پتا کیا ہوا۔ "کام شروع کرتے ہی اس نے حسب تمہید باندھ لی تھی۔

کیا ہوا؟ "بستر کی چادر جھاڑتے ہوئے وہاں بے دلی پر تھی۔ کام کرتے ہوئے آنہ عشوہ بی بی کے مسکراہٹ آجائے ناممکن۔

کھوکھر صاحب، بیماری میں بہت چڑچڑے ہوئے ہیں، کل ان کی بیگم کمرے میں گئیں تو پاس پڑا ان کے سر پر دے مارا۔ بے چاری بی بی باندھے پھر گئیں۔ کوئی پوچھے تو کہتی ہیں گر پڑی تھی۔ یہ نہیں

بتاتیں کہ گری کس پر تھیں خود گلدان پر گری تھیں یا گلدان ان پر۔ "وہ بی بی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

تم ایسی باتوں پر کیسے ہنس سکتی ہو؟ وہ بے چاری رکھا کے بیٹھی ہیں تمہیں ہنسی آرہی ہے۔" اس نے مالک بن کر نصیحت کرنا اپنا فرض سمجھا۔

"لو جی وہ خود ہی اپنا اشتہار لگوائے پھر رہی ہیں دوسرا مزہ کیوں نہ لے۔" اس نے "ٹنگ آف اسٹائل" کو اپنے دوپٹے سے پونچھتے ہوئے کہا جبکہ یہ اپنا نیت بھرا انداز اسے ایک آنکھ نہیں بھلایا تھا تب ہی بول پڑی۔

"تم ادھر فرنیچر کی صفائی کرو۔ یہ سب میں خود ہی کر لوں گی۔" اس نے پوسٹرز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کل سے میرا لگا خراب ہے اور یہ بلڈ کینسر کی نشانی ہوتی ہے۔" اس نے فرنیچر کی دھول صاف کرتے ہوئے دل گرفتگی سے کہا تھا۔ کیونکہ دھول مٹی میں ہاتھ ڈالنا اسے ہمیشہ ناگوار گزرتا تھا۔

"خدا کے خوف سے ڈرو صابرہ! کبھی کسی چھوٹی بیماری پر بھی اکتفا کر لیا کرو۔ سر میں درد ہوا تو نو مر سے کم نہیں۔ ہاتھ پاؤں سو گئے تو فاج کا انیک اور اب یہ بلڈ کینسر صفائی کرتے ہوئے تھوڑی سی گرد گلے میں چلی گئی ہے محترمہ! ورنہ تمہیں کچھ ہونے والا نہیں ہے۔" اس نے تکیے پر غلاف چڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ بے شک نہ مانیں۔ بڑی بیماریاں پہلے یوں ہی جڑ سے پکڑتی ہیں۔" صابرہ بیگم کوئی بات کہہ دیں اور اس پر ڈٹی نہ رہیں ایسا تو ممکن ہی نہیں۔

"یہاں کا کام ختم ہو جائے تو فیصل کے کمرے میں آجانا۔ میں وہیں جا رہی ہوں۔" اس نے باہر نکلے ہوئے کہا۔ انداز ایسا تھا جیسے تم سے کون سر کھپائے وہ اس کے کمرے میں آئی تو وہ ابھی تک سو رہا تھا (ہائے میں کام کر رہی ہوں اور یہ سو رہا ہے) اس نے کھلتے ہوئے اس پر ڈاکسل کھینچا۔

"ساڑھے نو بج گئے ہیں، تمہیں شرم نہیں آتی اتنی دیر تک سوتے ہوئے دس دن بعد تمہارے ایگزام ہیں اور خواب غفلت دیکھو اپنے" وہ اسے

جہنم جوڑتے ہوئے بولی تو وہ مملو لڑکھو۔
 ”بہنیں تو گھر کا سکون ہوتی ہیں۔ ٹھنڈی ہوا۔
 آنگن کی چڑیا اور دوپل کا مہمان ہوتی ہیں۔“ وہ اٹھتے
 ہی شروع ہو گیا تھا۔
 ”جہنم کو قلم دیکھی ہے۔“ وہ

اسے گھورتے ہوئے بولی۔
”جو موت تم نے پھر رات کو قلم دیکھی ہے“ وہ

اسے گھورتے ہوئے بولی۔
 ”آہستہ بولو، سسر! مان لیں گی۔“ اس نے
 کہا، ”کچھ کر ڈرتے ہوئے کہا۔“

”ایک شرط پر آہستہ بولوں گی۔“ وہ فوراً ”اپنے

”ایک شرط پر آہستہ بولوں گی۔“
مطلب بر آئی تھی۔
”نہ! نہ!“ نے بستر سے اترتے ہوئے پوچھا۔

”کیا؟“ اس نے بستر سے اترتے ہوئے پوچھا۔
”مجھے ٹیشو کے گھر چھوڑ آؤ۔“

”یہ ٹیٹو پیپر کے گھر تم نے روزانہ جانا ہوتا ہے۔“

اس نے ہاتھ روم کی طرف جاتے ہوئے کہا۔
”دوبل کی مہمان، ٹھنڈی ہوا اور آنگن کی چڑیا کے

”دوبل کی مہمان“ ٹھنڈی ہوا اور آنسن لی چریاے
لے تم اتنا بھی نہیں کر سکتے۔“ اس نے اس کے

”خدماتی طور پر بلک میل کر رہی ہو۔ بہت بڑی برادرانہ جذبات کو جھنجھوڑا تھا۔

”جذباتی طور پر بلیک میل کر رہی ہو۔ بہت بڑی بلیک میلر ہو تم۔“ اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ روم

”تیار رہ جاؤ! میں اس نے اونچی آواز میں

”تیار ہو جاؤں میں؟“ اس نے اونچی آواز میں پوچھا۔

پوچھا۔
”ہو جاؤ۔“ شاور کھلنے سے پہلے اندر سے شاہزادہ

پھر اگلے ایک گھنٹے میں پورا گھر جھکانے کے بعد

پھر اگلے ایک گھنٹے میں پورا گھر چمکانے کے بعد
تک سب سے درست حالت میں ماما سے اجازت لے

نک سب سے درست حالت میں ماما سے اجازت لینے کے بعد اٹلین شن یوزیشن میں کھڑے فیصل کے ساتھ گاڑی تک آئے، تو ہمارے گھر کے گھر گرہ کر رہے تھے۔

کھڑی بلیک کرولا دیکھ کر وہ چوتک گئی تھی۔ یہ حید

لکھڑی بلیک کروا دیکھ کر وہ چونک گئی تھی۔ یہ حید بھائی کب آئے! واپسی پر پتا چل جائے گا۔ اس

اس نے ڈیش بورڈ پر پڑی کیسٹ اٹھا کر دیکھتے ہوئے سر تھا۔

♥ ♥ ♥ ♥

”تائی امی نے آپ کی ٹرانسفر کے بارے میں تو

تھا لیکن ٹرانسفر کراچی ہی میں ہو رہی ہے یہ بتایا۔ "اس نے چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر حیدر بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے تو خود ہمیں پتا تھا اور نہ ہی اس نے
روزانہ پوچھتی تھی کہاں ہو رہی ہے۔
نہیں دیا اس لڑکے نے۔ لو! جا کر دیکھو۔“

نہیں دیا اس لڑکے نے۔ لو اب چل گیا۔
نے خوشی سے نہال اپنے ہونہار بیٹے کی طرف

”کیونکہ تم نے جو کسی سے نہال اپنے ہونہار بیٹے کی طرف
ہوئے کہا۔“

۱۲) یکچو تیلی جاب کے اتنے مختصر وقت میں
 سفر ہو تا تو ہمیں یسین دس ازمانی گڈ لک کر

ہو گیا اور پھر اپنے ہی شہر میں۔۔۔ اس نے فرما دیا کہ

ہوتے ہوئے عشوہ کے ہاتھ سے چائے کا پک ہوئے کہا۔

ہوئے کہا۔
”دو سال پہلے M.C.S. کرنے کے بعد اس
کے ایک ماہ قیصرینہ کمزور رہا۔“

کی ایک ماٹی فیشنل کمپنی میں بہت پرکشش چکری تھی۔ اس کمپنی کی ایک برانچ کراچی میں

چکی تھی۔ اس کمپنی کی ایک براچ کراچی میں
تو اس کا ٹرانسفر بھی یہیں ہو گیا تھا۔ ان دنوں

تو اس کا سفر بھی یہیں ہو گیا تھا۔ ان دو سال
کبھی وہ کراچی آیا بھی تو عشوہ کی اس سے ملاقات

بھی تو وہ کلچ میں ہوتی یا اکیڈمی۔ یوں بھی وہ

بھی تو وہ کلج میں ہوتی یا اکیڈمی۔ یوں بھی وہ
زیادہ بات نہیں کرتی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ سے

زیادہ بات نہیں لری سی کیو وہ ہمیشہ
اور پڑھا کو قسم کا بندہ تھا۔ بچپن میں یا بچپن
جس بھی اس کے پاس بیٹھتا وہ ہمیشہ

جب بھی اس کے پاس بیٹھتی، وہ ہمیشہ پر اس متعلق ہی سوال کیا کرتا تھا۔

متعلق ہی سوال کیا کرتا تھا۔
اسکول کیسا جا رہا ہے؟
ڈیپٹمنٹ کیسے ہے؟

اسٹول کیسا جا رہا ہے؟
یونین کس سے ملتی ہو؟
تمہارا فورٹ ٹیجر کون ہے؟

تمہارا فیورٹ ٹیچر کون ہے؟
کس ٹیچر کا لیکچر تمہیں جلدی سمجھ میں آیا؟

کس نیچر کا لیکچر نہیں جلدی جھیل
کون سا سبھیکیٹ پڑھنے میں نہیں عز

غرض اس قسم کے سوالوں کی وجہ سے
بندے سے خاصی چڑھو گئی تھی۔ اس قسم

بندے سے خاصی چڑھو گئی تھی یہ اس نہیں
کیوں پوچھتے ہیں یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ

کیوں پوچھتے ہیں یہ یوں یا Lion king یا جیری زیادہ پسند ہیں یا Full house زیادہ اچھی لگتی ہے یا out

Full house زیادہ اچھی لگتی ہے یا not

موٹاپے سے نجات



کسا جاتا ہے کہ ہر بیماری کی جڑ پیٹ کی خرابی ہے

موٹاپا اور پیٹ کا بڑھ جانا خواتین کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اسی طرح چہرے پر

مہاسے، کیل، جھانیاں

بھی پیٹ کی خرابی سے ہوتی ہیں۔ خواتین کے ان تمام مسائل کا حل نایاب جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ

جوہر ہاضم

● موٹاپا ختم

● بڑھا ہوا پیٹ اندر

● داغ دھبے اور کیل مہاسے غائب

● گیس، معدے کی گرانی کا خاتمہ

● قیمت صرف /50 روپے

پتہ ذیل سے منگوائیں۔

شوٹا نم - A/2، بیت الغرقان بکریٹورن کے برابر
مین یونیورسٹی روڈ، گلشن اقبال کراچی۔

The Baby's - لیکن وہ اس سے کبھی بھی ٹی وی پروگرام ڈسکس نہیں کرتا تھا اور وہ چڑتے ہوئے اسے دوبارہ کبھی منہ نہ لگانے کا عہد کرتی اس کے پاس سے اٹھ جایا کرتی تھی لیکن وہ بچپن تھا۔ اب وہ بہت زیادہ آئیڈیلسٹک ہوتی جا رہی تھی۔ بچپن میں جو باتیں اسے بری لگتی تھیں۔ اب وہی باتیں اس کی پگڈنڈیک میں شامل تھیں۔ لیکن بقول اس کے ابھی وہ اتنی اخم نہیں تھی کہ یہ ساری خوبیاں اپنے اندر پیدا کر لیتی۔

وہ ان خوبیوں کو آئیڈیلائز ضرور کرتی تھی مگر دوسروں کی ذات میں۔ اب بھی وہ پچھلے ایک گھنٹے سے اس کے سامنے اسی لیے جم کر بیٹھی تھی کیونکہ اس نے ابھی تک اس کی بڑھائی سے متعلق کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔ سب لوگ چائے پینے کے ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک حیدر صاحب کی "فطری رگ" پھڑک اٹھی زیر عتاب فیصل تھا۔

"تم ایف ایس سی کر رہے ہو ناں، آئی تھنک نیسٹ ویک ایگزام شروع ہو رہے ہیں اس کے۔" اس نے خالی کپ پیبل پر رکھنے کے بعد ٹانگ پر ٹانگ جھاتے ہوئے کہا تھا۔ یوں جیسے اپنا پسندیدہ موضوع شروع ہونے پر انسان ریلیکس ہو کر بیٹھتا ہے لیکن فیصل صاحب کا سکون غارت ہو گیا تھا۔

"جی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔" اس کے چہرے سے بے چارگی ٹپکنے لگی تھی۔

"کون سے کوچنگ سینٹر جاتے ہو تم؟" دوسرا سوال ہوا تھا۔

"دانش۔" جواب انتہائی مشکل سے دیا گیا تھا۔

"کسی قسم کی مشکل محسوس ہو مجھ سے ڈسکس کرو۔ میں بریف کروں گا تمہیں اوکے۔" اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اپنا مخلصانہ تعاون بھی پیش کر دیا گیا۔

"جی! فیصل کی پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

"اچھی طرح دل لگا کے پڑھو۔ بہترین گریڈ لاؤ تو پھر میں تمہارا نیوی میں انٹری ٹیسٹ کرا دوں گا۔ بہترین

رہائی کی طرف دیکھتے ہوئے گھبراہٹ سے کہنے لگا۔
"مجھے تو خود نہیں پتا تھا اور نہ ہی
انہ پوچھتی تھی کہاں ہو رہی ہے
دیا اس لڑکے نے۔ لو اب پل
خوشی سے نہال اپنے ہونمار بیٹے
نے کہا۔

۴۔ کچھ نیلی حجاب کے اتنے مختصر
نہ ہوتا تو نہیں، لیکن دس ازلی گندک
اور پھر اپنے ہی شہر میں۔ اس نے
ہوئے عشوہ کے ہاتھ سے چائے کا
کہا۔

دو سال پہلے M.C.S کرنے کے بعد
ب۔ ملٹی ٹیشنل کمپنی میں بہت پرکشش
ی۔ اس کمپنی کی ایک براچ کراچی
کا ٹرانسفر بھی یہیں ہو گیا تھا۔ ان دنوں
بہ کراچی آیا بھی تو عشوہ کی اس سے ملا
ٹی۔ زیادہ سے زیادہ وہ ایک آدھ دن
وہ کالج میں ہوتی یا اکیڈمی۔ یوں ہی
ت نہیں کرتی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ
ما کو قسم کا بندہ تھا۔ بچپن میں یا پھر
بھی اس کے پاس بیٹھتی وہ ہمیشہ
ہی سوال کیا کرتا تھا۔

مولو کیسا جا رہا ہے؟
شن کس سے لیتی ہو؟
مارا فیورٹ ٹیچر کون ہے؟
س ٹیچر کا لیکچر تمہیں جلدی سمجھ میں
نہ سنا سیکھ کر پڑھنے میں
رض اس قسم کے سوالوں کی وجہ سے
سے خاصی چڑ ہو گئی تھی۔ اس نے
پوچھتے ہیں یہ کیوں نہیں پوچھتے؟
Lion king پر زیادہ پسند

ایجوکیشن، بہترین جاب اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔ یقیناً تم بھی یہی چاہتے ہو گے۔“ لگے ہاتھوں بے چارے فیصل سے بھی رائے لی گئی تھی۔ ”جی بالکل میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔“ اس نے بہت صدمے سے رائے دینے والے کا چہرہ دیکھا تھا۔ ”عشوہ! تمہارے تو غالباً بی اے کے پیپرز ہو چکے ہیں۔“ اب تو پول کا رخ اس کی طرف مڑ گیا تھا اور وہ جو پچھلے کئی لمحوں سے بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا، اب بھی بے اختیار چونک رہا تھا۔

”جی کچھ دن پہلے ہی ختم ہوئے ہیں۔“ اس نے یوں نظریں چرائی تھیں جیسے چوری پکڑی گئی ہو، حالانکہ دوسری طرف پکڑ لیے جانے کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ ”پوزیشن بن جائے گی؟“ اس کے سوال پر فیصل نے انتہائی بد تمیزانہ قہقہہ لگایا تھا۔

”بھائی جان! یہ پاسنگ، رکس بھی لے لیں تو بڑی بات ہے۔“ اس نے مزید گواہ افشانی کی تھی۔ عشوہ کا بس نہیں چلا کہ اس کا سر بھاڑ دے۔

”خبردار جو میری بیٹی کو تنگ کیا تو۔۔۔۔۔ خود کے نمبر آئیں گے تو پتا چلے گا۔“ تائی امی نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”بس دونوں کی نوک جھونک سارا دن اسی طرح چلتی رہتی ہے۔ وہ پیپر دے کر آتی تھی تو یہ اسے ستانے کے لیے نمبروں کا حساب کرنے بیٹھ جاتا تھا۔ کوئی موقع تو یہ لڑکا ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔“ ماما بھی اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی تھیں۔

”پوزیشن، گریڈ ان سب کی اہمیت بہت زیادہ سہی لیکن اصل بات تو پاس ہونا ہے۔ اگر آپ پاس ہو گئے تو پھر پوزیشن گریڈ سب ایک ہو جاتا ہے۔ کامیابی کی لائن میں شامل ہو گئے تو پھر سب برابر۔“ وہ جینٹلس سائنس بیٹھ کر بڑی خوبصورتی سے اس کے جملے دل پر پچھو لے رکھ رہا تھا۔ اس نے بہت چور نظروں سے اپنے ہم رد کی طرف دیکھا تھا جو پوزیشن ہولڈر اور پاسنگ مارکس والے کو ایک ہی لائن میں کھڑا کر رہا تھا، محض اس کا دل رکھنے کے لیے اسے اپنے

اندروں کی حالت انتہائی مشکوک محسوس ہونے لگی تھی۔ یہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا۔ صحیح نہیں تھا کیونکہ اس کے آئیڈیل کے دروازے دھڑا دھڑا کھل رہے تھے۔

♥ ♥ ♥ ♥
جس وقت وہ تائی امی کی طرف آئی بڑی تائی امی تھیں، وہ انہیں اور خصوصاً ان کے بچوں کو دیکھ کر ایک سرخوشی کی کیفیت میں ان کی طرف بڑھی تھی۔ ”آپ کب آئیں؟“

”ابھی کچھ ہی دیر ہوئی۔ میں امی سے تمہارے بارے میں ہی پوچھ رہی تھی۔ وہ کہہ رہی ہیں کہ تم بہت کم آتی ہو اور۔۔۔“ وہ اسے خود سے پلٹاتے ہوئے شکایت بھی کر گئیں۔

”نہیں تو میں تو روزانہ آتی ہوں۔ پھر کبھی ہاتھ ہو جائے تو تائی امی کہتی ہیں۔ میں نے آٹا ہی چھوڑ دیا۔“ وہ مسکراتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گئی۔

”بہت کمزور ہو رہی ہو تم۔ کیا کھاتی پیتی کچھ نہیں۔۔۔ لگتا ہے ساری صحت بالوں میں ہی جاتی ہے۔ جسم پر کچھ نہیں چڑھتا۔“ وہ اس کے گھنے بالوں کی مولی چبا گواہتھ میں لیتے ہوئے بولیں۔ یہ بات تو ان کی واقعی درست تھی اس کی تمام فرینڈز اس کے بالوں پر رشک کرتی تھیں حالانکہ اس نے اپنے بالوں کا زیادہ خیال نہیں رکھا تھا۔ تیل لگانا چھپا باندھنا تو عشوہ بی بی کی عادت میں ہی نہیں تھا۔ ویسی ٹونکوں سے اسے سخت الرجی تھی۔

وہ تو ان لمبے بالوں سے چھٹکارا چاہتی تھی۔ یہ چاہت پوری بھی ہو جاتی اگر ماما کا ڈرنہ ہوتا تو یہ بات بھی سنا پسند نہیں کرتی تھیں، لہذا طوعاً ”کہا“ اسے یہ اضافی بوجھ (بقول اس کے) اٹھانا نہ تھا۔ بڑی تپا ابھی تک اس کی چھپا کے بل گن رہی تھیں۔

”فارغ ہوتی ہو سارا دن گھر میں، کوکنگ کی کلاسز کیوں نہیں لے لیتیں تم۔ تمہارا نام بھی اچھا گزرے گا اور فائدہ بھی ہو گا۔“ بڑی آپا ہمیشہ سے اماؤں والے مشورے دیا کرتی تھیں۔

”فائدہ کیا ہو گا؟“ نام پاس تو سمجھ میں آیا تھا۔ فائدہ سر پر سے گزر گیا۔

”قائدہ ہو گا کہ تم گھرداری سیکھ جاؤ گی۔“ اسے ہر

بہت آسان لفظوں میں سمجھائی پڑتی تھی۔
”چھوڑیں آپا! ماما اور صابرہ ہیں نا۔“ اس نے کچھ

گھرداری سے کہا تھا۔
”لیکن شوہر کے گھر میں تو ماما اور صابرہ نہیں ہوں گی
پھر کیا کرو گی؟“ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی
طرف دیکھا۔

”پھر... مرنا کیانہ کرتا۔“ اس نے کچھ سوچ کر ہنستے
ہوئے کہا تھا۔ ”یعنی وہاں جا کر آپ سدھر جائیں گی؟“

”ایگزیکٹو۔“ آپ لوگ میری شادی تو کیجیے پھر
دیکھیے گا۔ کیسی گھڑ ہو بنوں گی میں کہ لوگ مثالیں
دیا کریں گے۔“ اس نے فرضی کالر جھاڑے تھے تائی
امی نے ہنستے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

”مثلاً کیا کریں گی آپ وہاں جا کے؟“ تاپا نے
لچسی ظاہر کی تھی۔

”تمیز دار ہو کے روپ میں“ میٹھی چھری کیسے بنا
جاتا ہے۔ یہ میں میٹھو سے پوچھ لوں گی۔ اس کے پاس
اپنی بھابیوں کی ڈھیروں مثالیں موجود ہیں۔“ اس
نے پاس بیٹھے تاپا کے بیٹے کو کھینچ کر اپنی گود میں بٹھاتے
ہوئے کہا تھا۔ ”شادی شدہ زندگی گزارنے کے بڑے
کامیاب گرتے ہیں اسے۔“ وہ مزید گوہر افشانی پر اتر
آئی تھی۔

”اچھا وہ کیا؟“ تاپا اس کے قریب کھسک آئیں۔

”تائی امی کو جانے دیں پھر بتاتی ہوں۔“ اس نے
چٹخارہ لیتے ہوئے ان کے کان میں سرگوشی کی تھی اور
جب تک تائی امی باہر نہیں چلی گئیں۔ وہ تاپا کے بچوں
کے ساتھ چڑیا اڑی کھیلتی رہی اور جس وقت وہ انہیں
ازدواجی زندگی کے سنہری اصول بتا رہی تھی۔ اسی
وقت حیدر اندر آیا تھا۔ بلیک جینز اور لائٹ پنک لی
شرٹ میں وہ خاصا فریش نظر آ رہا تھا۔ ان دو سالوں میں
اس کی ڈشنگ پر سنبھلٹی بہت امپرو کر چکی تھی اسے
اس مقولے پر دل و جان سے اعتبار آ گیا تھا کہ بہترین
ایجوکیشن اور بہترین جاب آپ کی شخصیت کو نکھار
دیتی ہے۔ وہ غیر ارادی طور پر اس کا تفصیلی جائزہ لے

رہی تھی۔ ”سنہری اصول“ پھر پیچھے رہ گئے تھے تاپا
نے بھی ”اسی کی طرح“ بڑے پیار سے اپنے بھائی کی
طرف دیکھا تھا۔

”عشوہ بی بی آئی ہیں۔ کیا ہو رہا ہے آج کل؟“
اس نے ٹی وی آن کرنے کے بعد اس کے برابر والے
صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”کچھ خاص نہیں۔ بالکل فارغ ہوں۔“ وہ خواہ مخواہ
کنفیوز ہونے لگی تھی۔

”فارغ نہیں بیٹھنا چاہیے کوئی نہ کوئی مصروفیت
اچھی ہوتی ہے۔“ وہ ریموٹ ہاتھ میں لیے اپنا پسندیدہ
چینل ڈھونڈتے ہوئے بولا تھا۔

اس ڈھونڈا ڈھانڈی کے دوران اس کے کئی دل
پسند چینل گزر گئے تھے جسے اس نے درخواستیں نہیں
سمجھا تھا۔ وہ خاصی بد مزہ ہوئی تھی۔

اس کے ریموٹ پر حرکت کرتے ہاتھ ایک
نہایت ہی فضول چینل پر آکر رک گئے تھے عشوہ بی
بی نے ٹی وی پر ایک نظر ڈالنے کے بعد دوسری نظر ڈالنا
گوارہ نہیں کی تھی۔

”جریدی آرٹ کی ایگزیشن دیکھنے کے لیے عقل
و فہم سے زیادہ ہمت و حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پتا
نہیں کس احمق کی ایجاد ہے۔ یہ جریدی آرٹ میرا
نہیں خیال کہ یہ کسی کی سمجھ میں آتا ہو۔“ وہ بلا ارادہ
بول گئی تھی۔

اس کے تبصرے پر اس نے بہت سرسری سی نظر
اس پر ڈالی تھی۔ ”پکاسو (Picasso) کے کسی طے
والے نے اس کی تصویریں دیکھ کر کہا ”تمہاری
تصویریں کسی کی سمجھ میں نہیں آئیں۔ کم از کم مجھے تو
بالکل سمجھ میں نہیں آتیں تم اسے چھوڑ کیوں نہیں
دیتے۔“ اس نے مسکرا کر جواب دیا ”کیا تم چینی زبان
سمجھتے ہو؟“

اس کے دوست نے کہا ”نہیں۔“
اس نے کہا ”ایک ارب کے قریب افراد چینی زبان
بولتے ہیں تو کیا تمہارے نہ سمجھنے سے وہ اسے بولنا
چھوڑ دیں۔“ وہ بظاہر بی بی کی طرف متوجہ نہایت محل

سے اسے آئینہ دکھا گیا تھا۔
عشوہ کے توں کوں سے لگی سر پر بھی تھی اگر وہ اس
کا آئیڈل نہ ہو تا اور تائی امی اور آپا کا خیال نہ ہو تا وہ
اچھی طرح منٹ لیتی اس ایک سو صدی کے ریکارڈ
سے ضبط کرنا مجبوری بن گیا تھا سوچ چپ چاپ بیٹھی
رہی۔ تائی امی چائے لے کر آئیں تو وہ مزید شرمندہ ہو
گئی۔

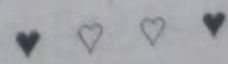
”آپ مجھ سے کہتیں میں بنا لیتی چائے، آپ بہت
تکلف کرتی ہیں تائی امی!“ وہ ان کے ہاتھ سے ٹرے
پکڑ کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔

”اب تم تو مہمان آئی ہو تو کیا تمہیں کام پر لگا
دیتی۔“ وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ سے اس کی طرف
دیکھتے ہوئے بولیں۔

”میں مہمان ہوں کیا؟“ اس نے شکایتی انداز میں
آپا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ تم بالکل مہمان نہیں ہو۔“ وہ ہنسی
تھیں۔

”چائے میں بناؤں گی۔“ وہ صوفہ چھوڑ کر نیچے
کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ دونوں بچے ماموں کے آس پاس
جا کر بیٹھ چکے تھے۔ کپ میں چائے ڈالتے ہوئے وہ
شعوری طور پر اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت
ریلیکس موڈ میں بچوں سے باتیں کر رہا تھا۔ اگر فیصل
یہاں ہو تا تو بچوں سمیت یہاں کی ہر چیز الٹی ہوتی جب
بھی آیا آتیں فیصل کے ہاتھوں ان کے بچوں کی
شامت آجاتی۔ پیار پیار میں دھمو کے مارے جاتے۔
زیادہ ہی لاڈ آتا تو ہاتھوں سے پکڑ کر الٹا لٹکا دیتا لیکن
یہاں تو سارا معاملہ ہی الٹ تھا۔ نجانے بچے اس کے
احترام میں تھے یا وہ بچوں کے جو کچھ بھی تھاتینوں کی
ٹانگ پر رکھی ٹانگ نہیں مل رہی تھی۔ چائے پینے کے
بعد بھی وہ کافی دیر تک وہاں بیٹھی رہی۔ وہ اٹھا بیٹھا
ہنسا بولا۔ وہ اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کرتی رہی۔
گھر آنے سے پہلے وہ یہ سوچ چکی تھی کہ کل اسے میٹھو
کے گھر جانا ہے۔



وہ صوفے پر بیٹھی منہ کے برے برے زامیے بنا
رہی تھی۔
”لیکن اب ہو گا کیا؟“ کافی دیر کے بعد اس کی آواز
نے کام کیا تھا۔

”مجت۔“ اس نے تریوز کی بڑی سی قاش منہ میں
ڈالتے ہوئے کہا۔

”کیا مجت؟“ اس کی تو آنکھیں پھٹ پڑی تھیں۔
”ایسا نہیں ہو سکتا میٹھو ہائے رسوائی، پتھر چاک
گرہاں۔“ ابھی کل ہی تو اس نے ”لیلی مجنوں“
دیکھی تھی۔

”ایسا ہی ہو گا۔“ ادھر یقین قابل دید تھا۔
”ایسا کیسے ہو سکتا ہے، وہ تو صرف میرا آئیڈل
ہے۔“ وہ زنج ہو گئی تھی اس کی تکرار سے۔

”آئیڈل کون لوگ بناتے ہیں؟“ اس نے کانٹے
میں تریوز کا ٹکڑا پھنساتے ہوئے پوچھا تھا۔
”رومانٹک لوگ!“ اس نے نہایت برا منہ بناتے
ہوئے جواب دیا تھا۔

”رومانٹک لوگ کیا کرتے ہیں؟“
”رومانس!“
”رومانس کسے کہتے ہیں؟“
”مجت کو۔“
”اور تمہیں کیا ہے؟“

”مجت۔“ بلا ارادہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔
”ڈیش اس۔“ میٹھو نے زور سے ٹیبل پر ہاتھ مارا۔
”لیکن ہم اسے مجت تو نہیں کہہ سکتے۔ مجت میں
تو انسان کو بھوک نہیں لگتی۔ پیاس بھی نہیں لگتی۔ بار
بار محبوب کی یاد ستاتی ہے چوٹ ایک کو لگتی ہے تو درد
دوسرے کو ہوتا ہے اور حد تو یہ کہ زخم کانٹان بھی بن
جاتا ہے لیکن میرے ساتھ تو ایسا کچھ بھی نہیں۔ مجھے تو
بھوک بھی پہلے جیسی ہی لگتی ہے اور اس کی یاد بھی
نہیں ستاتی۔ البتہ چوٹ کا ابھی تجربہ نہیں ہوا۔“ وہ
بڑی سنجیدگی سے اپنا اگلا پچھلا احتساب کر رہی تھی۔
”یعنی آئیڈل بھی ہے اور مجت بھی نہیں ہے
لیکن آگے چل کر مجت کے چانسز بہت واضح نظر

”وہ بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولی

”محببت و محبت کا تو مجھے نہیں پتا۔ البتہ یہ ضرور

”تو یوں کہو نہ کہ پری ہلینڈ عشق کرنا چاہتی ہو تم۔

”بری بات۔ غلط مطلب کیوں لے رہی ہو تم ایسا

”تمہیں ہر بات غلط اور ہر بات بری لگ رہی ہے

”کیا کرنا ہو گا مجھے؟“ وہ کسی مرید کی طرح اپنے

”اب آیا ناں اونٹ پہاڑ کے نیچے۔“ اس نے

”یہ تم با محاورہ گفتگو کب سے کرنے لگی ہو۔ دو دن

”چار عدد بھائیوں کی اکلوتی مند ہوں۔ طنز کے تیر

”بائے اتنی خوفناک لگتی ہوں میں۔“ وہ تو اس پر

”میرا مسئلہ تو حل کرو۔ آخر

”میں اس کا کیا کر سکتی ہوں کہ وہ مجھ سے اپنا راز جو جائے۔“

”میں اس کے سامنے ہونے والی ہوں گی۔“

”کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔“ منہ ابھی

”کیا کھونا پڑے گا۔“ اور تو دل بیٹھ گیا تھا۔

”محنت کرنی پڑے گی۔ آرام و سکون کھونا پڑے گا۔

”محنت کے علاوہ کوئی اور حل بتاؤ نا۔“ اس کی

”چوبیسویں صدی بھی آگئی تو کنواں چل کر پیا سے

”پاس نہیں آئے گا۔ یہ بات لکھ کے رکھ لو تمہارا

”آئیڈیل نہیں ہو۔ یہ انٹرنیٹ کا دور ہے۔ تم اس کی

”قدموں میں“ والی فال تو اب طوطے بھی نہیں نکالتے

”جو میں ہتی ہوں اس پر سنجیدگی سے عمل کرو۔ آج وہ

”تمہارا آئیڈیل ہے۔ کل انشا اللہ تم اس کی آئیڈیل ہو

”گی۔“ اس نے انتہائی پریقین لہجے میں کہا۔

”پلان کیا ہے؟“ اسے ذرا بھی اس کی باتوں پر یقین

”پلان یہ ہے کہ۔۔۔“ وہ اس کے قریب کھسک

”آئی خاصا سرگوشیاں پلان تھا جسے سنتے ہوئے اس کی

”بھنویں کبھی اوپر جاتیں کبھی نیچے۔ شکل کے بھی ستر

”زاویے بن رہے تھے۔“

”کیسا؟“ وہ اسے سنہری اصول بتانے کے بعد داد چاہ

”وہ گایا؟“ کل دیر کے بعد اس کی

”س نے تریوز کی بڑی سی قاش

”س کی تو آنکھیں پھٹ پڑی تھیں

”لٹا ٹیٹو ہائے رسوائی، پتھر پار

”مل ہی تو اس نے“ لیلیٰ

”اور یقین قابل دید تھا۔

”لٹا ہے“ وہ تو صرف میرا

”اس کی تکرار سے

”بناتے ہیں؟“ اس نے

”تے ہوئے پوچھا تھا۔

”اس نے نہایت برا منہ

”یا کرتے ہیں؟“

”ہیں؟“

”س کے منہ سے نکلا تھا۔

”نے زور سے ٹیبل پر ہاتھ مارا۔

”تو نہیں کہہ سکتے۔ محبت میں

”تی۔ پیاس بھی نہیں لگتی۔

”چوٹ ایک کو لگتی ہے تو درد

”عد تو یہ کہ زخم کا نشان بھی

”تھ تو ایسا کچھ بھی نہیں۔

”لگتی ہے اور اس کی یاد بھی

”کا ابھی تجربہ نہیں ہوا۔“

”پھلا احتساب کر رہی تھی۔

”ہے اور محبت بھی نہیں ہے

”کے چانسز بہت واضح نظر

ہیں ناں کوئی مہمان آتا ہے تو جھٹ سے آم کاٹ کر لے آتی ہیں۔ مہمان بے چارہ ایک پیس کھاتا ہے وہ پوری پلیٹ کھا جاتی ہیں۔ میں بھی آج کل انہی کی شاگردی میں ہوں۔" اس نے انتہائی ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔

"تم سے کوئی نہیں جیت سکتا ٹشو! تمہیں شرمندہ کرنا پہاڑ کھودنے کے برابر ہے۔" اس نے انتہائی مایوسی سے کہا۔

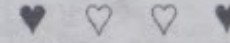
"تم جو بھی کہو اپنا گرو تو تم مجھے مان ہی چکی ہو۔" اس نے فرضی کالر جھاڑ دے۔

"ہاں یار! یہ تو ہے۔" وہ نہایت شرافت سے مان گئی۔

"تو پھر میں سمجھ لوں کہ پل پل کی رپورٹ مجھے ملتی رہے گی۔"

"ڈن؟"

"ڈن!" وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی تو دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔



آج سنڈے تھا وہ مٹاثرین جینس پہچھلے آدھے گھٹے سے کچن میں گھن چکتر بنی ہوئی تھی۔ ماما آج ماموں کی طرف گئی تھیں لہذا اسے کوئی ٹوکنے والا بھی نہیں تھا۔ البتہ صابرہ مسلسل اس کے کام میں ٹانگ اڑا رہی تھی۔

"بیگم صاحبہ کھانا پکا کر تو گئی ہیں۔ اب آپ آخر کیا بنا رہی ہیں۔ زندگی میں پہلی بار؟" اس نے ایک بار پھر نان اسٹک کے شیشے کے ڈسکن کے پیار جھانکا تھا۔

"زہر بنا رہی ہوں۔ کھانا ہے تم نے؟" کام کرتے ہوئے تو اس کا غصہ یوں بھی ساتویں آسمان پر ہوتا تھا۔

"اتنا تو مجھے پتا ہے۔ یہ جو کچھ بھی بن رہا ہے۔ زہر ہر گز نہیں ہے۔" وہ بھی آخر اسی گھر کی ملازمہ تھی۔

"صابرہ! تم نے کھانا کھانا ہے؟" اس نے بڑے ضبط سے پوچھا تھا۔

"ہاں! لیکن یہ جو آپ بنا رہی ہیں۔ یہ بھی میں کھاؤں گی۔" اس نے ایک بار پھر اچک کر دیکھا۔

"ٹھیک ہے جب یہ بن جائے گا تب میں دے دوں گی۔ ابھی فی الحال تم یہ کھانا کھاؤ۔" وہ تحمل سے اس کے لیے کھانا نکالتے ہوئے بولی۔

"میں پھر یا ہر ہی بیٹھی ہوں۔" وہ رُسے پکڑ کر جاتے ہوئے اپنی نشست بھی بتاتی گئی۔

"ٹھینک گاڑ۔" چھت کی طرف ہاتھ بلند کرتے ہوئے اس نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ ایک بیچ گرمی میں ہوئے تھے اسی پل فون کی بیل بجی تھی۔ اس نے جلدی سے کاؤنٹر پر پڑا کارڈ لیس اٹھا کر آن کیا تھا۔

"ہیلو!"

"ہاں بھئی، کہاں تک پہنچیں؟" دوسری طرف سے چھوٹے ہی پوچھا گیا۔

"میکرونیز، چکن، مٹر، سب کچھ بواکل کر لیں۔" اس نے تیزی سے اپنی کار کردگی بتائی۔

"گد! اب انہیں ایک باؤل میں ڈال کر گھر چھڑک دو۔ مزیدار نمکین ڈش تیار ہے۔" دوسرے چکھے ہی چٹخارہ لیا گیا تھا۔

"اب لے جاؤں کیا؟" اس نے اس کی ہدایت مطابق عمل کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں فوراً" لے جاؤ۔ سچ کا ٹائم ہو رہا ہے۔ اس نے بڑے جبر سے وہ کھانا کھالے۔

"او کے!" اس نے فون بند ہونے کے بعد کاؤنٹر پر رکھا اور کرشل کے خوبصورت ہاتھ کی ہی نازک سنی پلیٹ سے ڈھکالو اور اٹھا کر نکل آئی۔ صابرہ باہر نہیں تھی۔ اسے قدرے محسوس ہوا دونوں گھروں کے درمیان ہاتھ برابر تھا۔ وہ جس وقت وہاں پہنچی۔ تلی اٹال کچن میں اور وہ "پکاسو" وہیں بی وی لاؤنجن میں بیٹھا تھا۔

وہ ہدایت کے مطابق انتہائی سلیقے سے سلام کے بعد وہیں بیٹھ گئی۔

"کیا لاتی ہیں عشوہ بی بی؟" اس نے بیل پر سے باؤل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپ لوگوں نے کھانا کھالیا کیا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی تو بن رہا ہے۔" جواب دے رہے تھے۔

"اس نے کھڑے ہو۔"

”بیٹھو! یہ کیا لائی ہو؟“ وہ بھی اس کی لائی ہوئی ڈش چیک کرنے لگیں۔ ”ہوں مجھے بہت پسند ہیں یہ۔“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائیں تو اسے کافی حوصلہ ہوا۔

”تم بیٹھو۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔“ وہ پلٹتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

”نہیں تائی امی! اب میں چلتی ہوں۔“ لاما گھر نہیں ہیں اور فیصل کو بھی کھانا دینا تھا۔ ”اب اپنی ذمہ داری کا احساس بھی توجہ دانا تھا۔“

”کھانا کھانے میں ٹائم ہی کتنا لگے گا۔ کھا کر چائے میں لگا رہی ہوں۔“ ان کے حتمی انداز پر وہ مجبوراً رک گئی۔ بیٹھنا مناسب نہیں لگا تو ان کے پیچھے کچن میں چلی آئی۔ تائی امی کے ساتھ مل کر اس نے ڈانگ ٹیبل پر کھانا لگایا تھا۔ تائی امی نے بریانی بنائی تھی اور وہ خاصی رغبت سے کھا رہا تھا جبکہ عشوہ بی بی کو آج بریانی سخت بری لگ رہی تھی۔

”ہم جس ملک میں رہتے ہیں۔ ہمیں ہلکی پھلکی غذا سوٹ ہی نہیں کرتی۔ پیزا، سینڈوچ یہ ہماری بھوک کو مٹانے کے لیے ناکافی ہوتے ہیں برٹش ممالک میں ترقی اس لیے ہے کہ وہ لوگ چلتے پھرتے کام کرتے کوئی بھی ہلکی غذا کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ انہوں نے کھانے کو مین پر اہم نہیں بنایا لیکن ہمارے ہاں مین پر اہم ہی کھانا ہے۔ آج کیا کھائیں گے۔ آج کیا پکا میں گے۔ ہمیں یہ سب عجیب نہیں لگتا کیونکہ جہاں ہم رہتے ہیں۔ وہاں دن بھر کی سخت محنت کے بعد ہمیں ہیوی چائو ڈنر کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں ہر کام مشین کرتی ہے لیکن یہاں ہر کام ہمیں خود کرنا ہوتا ہے۔ مشین رکھنے کے باوجود پھر ہم ان کی غذا کو اپنی غذا میں شامل نہیں کر سکتے۔ انہیں سبزیاں بوائے کر کے کھانے میں مزہ آتا ہے لیکن ہمیں سبزیاں پکا کر کھانے میں زیادہ لذت محسوس ہوتی ہے۔ ہم اپنا ٹیسٹ تو خراب نہیں کر سکتے۔ وہ کھانے میں کلو ریز چاہتے ہیں لیکن ہمیں مزے سے مطلب ہوتا ہے۔ ہم ان کی خوراک کو اپنی خوراک کے بعد تو کھانا پسند کر سکتے ہیں لیکن پہلے

اس کی لائی ہوئی ڈش کا جائزہ لینے لگا اور وہ اس کے مزات کا حالانکہ کچھ بھی اندازہ نہیں ہو پایا کیونکہ وہ بارہ صوفے سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا تھا۔

”اس کا مطلب ہے میں یا نکل ٹھیک ٹائم پر پہنچی ہوں۔“ اپنی کامیابی پر اس کا سیروں خون برہم گیا۔

”سوری۔ میں میگزینز نہیں کھاتا۔ امی سے پوچھ لیا شاید انہیں پسند ہوں۔“

امی کے لیے بھی ”شاید“ کا لفظ استعمال کیا گیا تھا۔ اسے اتنی صاف گوئی کی امید نہیں تھی۔ جی چاہا

منے پڑا پیالہ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے لیکن حرکت سے برا امپریشن پڑنے کا خطرہ تھا سو خون

کھونٹ پی کر بیٹھی رہی۔

”کچھ نیلی یہ خالص زنانہ قسم کی ڈش ہے۔“ وہ طرف سے اس کا دل رکھ رہا تھا اور دوسری طرف

آگ لگ گئی تھی۔

”اس پر عورت کی تصویر بنی ہے ”زنانہ ڈش۔“ نے جل کر سوچا تھا۔

”اصل میں فیصل بہت پسند کرتا ہے یہ“ اس کے

بھائی تو آپ کے لیے بھی لے آئی اگر آپ کو نہیں

تو ڈونٹ وری۔“ اس نے بڑے جبر سے لاپرواہ بننے

کوشش کی تھی۔ اتنی سخت گرمی میں کچن میں سر

ایا۔ پورا آدھا گھنٹہ یہ سب بنانے میں لگا اور کیسے

بھاڑ کے کہہ دیا مجھے نہیں پسند وہ کلکس رہی تھی

کہہ رہا تھا۔

مجھے بریانی اور چائپ زیادہ پسند ہے۔ میرے

میں زیادہ تریبی ڈشز ہوتی ہیں۔ اگر تم بریانی بنا

لی ہوئیں تو یہ باؤل اب تک خالی ہو چکا ہوتا۔“ وہ

خوبصورتی سے مسکرایا۔

”ہر نہ بنا دوں تمہارے لیے۔“ اس نے جل کر

ارے عشوہ! تم کب آئیں؟“ تائی امی نے کچن

دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بھی آئی تھی۔“ اس نے کھڑے ہوتے ہوئے

وہ آہی چکے ہوں گے۔“ وہ کہتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ ”جب وہ سامنے آئے مونی سی کتاب لے کر بیٹھ جاؤ۔“ ٹیٹو کی ہدایت اس کے کانوں میں گونجی۔ میگزین وہیں چھوڑ کر وہ دوڑتی ہوئی پیلا کی اسٹڈی میں گئی بگ ریک میں اسے سیدھے ہاتھ مارنے کے بعد قدرت اللہ شہاب ہاتھ نامہ ہاتھ لگا۔ خاصا موٹا تھا۔ وہی پکڑ کر اسی تیزی سے دوڑتے ہوئے وہ دوبارہ وہاں آکر بیٹھ گئی۔ پورے پیلا منٹ بعد جب وہ اسٹاک سے کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ وہ دونوں گیٹ سے اندر داخل ہوئے تھے۔ حیدر نے اسے دیکھتے ہوئے دور سے ہی ہاتھ ہلایا۔ ”جواباً“ اس نے بھی ایسا ہی کیا پھر ان دونوں نے نیٹ کے پاس جا کر کھیلنا شروع کر دیا۔ اس کی نظر کتاب پر تھیں مگر کان اسی طرف لگے تھے۔ ”بھائی! میں بالکل اعتصام الحق کی طرح کھیل رہی ہوں نا؟“ فیصل نے پھولے ہوئے سانس کے درمیان چاہی تھی۔

”ہاں لیکن جب تم جھک کر شارٹ لگاتے ہو تو بالکل مارینا لگتے ہو۔“ اس نے اپنا شارٹ کھیلنے سے مسکرا کر کہا جبکہ فیصل کی مردانگی پر گہری چوٹ پڑ رہی تھی۔

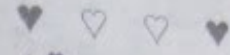
”اگر آپ مجھے مارینا سے تشبیہ نہ دیے تو میں آپ کو کسی اچھے پلیئر کے مقابل مانا۔“ اس نے بات پر وہ کھل کر ہنسا تھا۔

”میرا خیال ہے اب ہم تھک گئے ہیں۔ اب اس گھر دینا چاہیے۔“ اس نے ریکٹ گھاس پر بیٹھ کر لان چیریز کی طرف بڑھ گیا۔ فیصل نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

عشوہ نے مزید کتاب میں سر دے لیا۔ وہ بیٹھ ہی سامنے ہی تھا۔

”شہاب نامہ“ بہت اچھی کتاب ہے۔ یہ پڑھی ہے تم نے؟“ اس نے ٹائٹل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

نہیں۔ ہمیں اسی چیز کی طلب ہوتی ہے جو ہمارے اندر کا حصہ ہے۔“ وہ برائی کھاتے ہوئے برٹش کنٹریز کی غذائی کیفیت کے بچے اویٹ رہا تھا۔ یہ سب وہ اسے سنا رہا تھا یہ اس کی عام گفتگو کا انداز تھا۔ خیر جو بھی کچھ تھا۔ وہ اس کے لیے آئندہ کبھی کچھ نہ بنانے کا عہد کرتے ہوئے وہاں سے اٹھی۔



موسم صبح سے ہی بہت پیارا تھا اور اب شام کو تو مزید اچھا ہو گیا تھا۔ صاف شفاف ٹھنڈی سبک ہوا چل رہی تھی۔ وہ لان چیریز پر بیٹھی فیشن میگزین دیکھ رہی تھی جب فیصل بھی وہیں آ گیا۔

”چلو۔ ٹینس کھیلتے ہیں۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹینس کو لہراتے ہوئے کہا تھا۔ جب سے اس کے ایگزائمز ختم ہوئے تھے۔ اس نے چوبیس گھنٹے کھیلنے کے لیے کمر کس رکھی تھی۔ ہر وقت اس کے ہاتھ میں ٹینس بیٹ یا فٹ بال نظر آتی تھی۔

”میں نہیں کھیلوں گی۔“ اس نے میگزین سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا تھا۔

”ایک وقت آئے گا۔ یہ دنیا میرے قدموں میں ہو گی اور میں اسے روندنا ہوا گزر جاؤں گا۔“ وہ اپنی ”مادری زبان“ پہ اتر آیا۔

”تمہارے پیروں میں اتنی طاقت ہے۔“ اس نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

”میں دردی اپنے وطن چھوڑ آیا ہوں لیکن بوٹ پاکستان کے پہنتا ہوں پیروں میں روند ڈالوں گا تاج اوپر اے کا سر بھی اور تاج بھی۔“ اس نے سینہ تانتے ہوئے کہا۔

”خاصی پرانی فلم ہو گئی ہے۔ تم نے دوبارہ دیکھی ہے؟“ وہ اس کے ڈائلاگ سے متاثر ہوئے بغیر دوبارہ میگزین کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”پھر کھیل رہی ہو؟“ ”نہیں!“ جواب ہنوز قائم تھا۔ ”لو کے میں حیدر بھائی کو بلا لیتا ہوں۔ اس وقت تو

”جی ہاں۔ پہلے بھی کئی بار پڑھ چکی ہوں۔ میری فیورٹ کتاب ہے یہ۔“ اس نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔

”اگر ہم ایک کتاب بار بار پڑھتے ہیں تو اس میں کمال ہمارا نہیں راسٹر کا ہوتا ہے۔ اچھا راسٹر ہمیں بار بار پڑھنے پر مجبور کرتا ہے اور قدرت اللہ شہاب تو بلاشبہ ایک اچھے راسٹر ہیں۔ تم نے ان کی ”ماں جی“ تو پڑھی ہوگی؟“ وہ تبصرہ کرتے کرتے اچانک سوال پر اتر آیا۔

”ہاں!“ وہ بمشکل کہہ پائی تھی۔

”پیلا کی اسٹڈی میں بکس کی بڑی اچھی کلیکشن ہے آپ دیکھیے گا کبھی۔“ فیصل نے کہا۔

”آپ کس راسٹر کو پسند کرتے ہیں؟“ اپنی طرف سے توجہ ہٹے دیکھ کر اس نے ایک گونہ سکون محسوس کیا ابھی جو پوچھ لیتا۔ ”ماں جی“ کی خصوصیت تو وہ کیا بتائی۔

”میرے فیورٹ ہیں شیکسپیر، بلٹن، شیلے،

انگلش لٹریچر جھیل، جھرنے، موسم، پاول، ہوا، رنگ اور خوشبو کی دنیا آباد ہے۔ تم پڑھو۔ تمہیں ان میں ایک خوشگوار محسوس ہوگی۔“ وہ بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”لیکن ہر اچھا راسٹر ضروری نہیں ہمیں پسند بھی ہو۔“ بلٹن، شیلے کا ذکر سن کر وہ خاصی بددل ہوئی تھی۔

”یہی تو المیہ ہے جس راسٹر کی تحریر میں ہمیں اپنا پسندیدہ موضوع نظر آتا ہے۔ وہی راسٹر ہمیں اچھا لگنے لگتا ہے اور جس کی تحریریں ہمارے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ ہم بڑے دھڑلے سے اسے بکواس راسٹر کا خطاب دے دیتے ہیں۔ رومانیک لوگ ہر کہانی میں رومانس چاہتے ہیں جبکہ سنجیدہ حلقوں میں تخلیقی کہانیاں پسند کی جاتی ہیں۔ جس میں عشق پیچھے اور Career آگے ہوتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ ایسی کہانیاں اکثریت پسند کرتی ہے جبکہ بہت کم لوگ رومانیک اسٹوریز پڑھنا چاہتے ہیں اور یہ بات صحیح

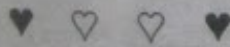
بھی ہے“ آپ کا کیرئیر ہی آپ کی بنیاد بنا رہا ہے عشق تو آپ کو کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی سے ہو ہی جائے گا۔ شادی بھی ہو جائے گی۔ شادی ہمارا ہیڈک نہیں ہے، یہ ہمارے پیرنس کا ہیڈک ہے، وہ اسے جب بھی حل کرے یہ ان کا مسئلہ ہے۔ شادی کے بعد اگر محبت ہو گی تو ٹھیک ورنہ کمپروماز تو ہے ہی۔ یوں بھی محبت کوئی چیز نہیں ہوتی۔“

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا، سامنے بیٹھی ہوئی عشوہ کو ایک پل کے لیے یوں لگا جیسے آخری فقرہ بولتے ہوئے اس کی آنکھیں مسکرائی تھیں۔

”یعنی آپ کی نظر میں محبت کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟“ فیصل نے انتہائی صدمے سے پوچھا۔

”محبت کی اہمیت تو بلاشبہ ایک حقیقت ہے۔ میرا پوائنٹ آف ویو یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کے دائرہ کار میں صرف محبت ہی کا جال بچھا کر نہ بیٹھے رہیں زندگی میں کرنے کو ہمیں اور بہت سے اہم کام ہیں ہمیں محبت کو فل ٹائم جاب نہیں بنانا چاہیے۔ آئی تھنک یہ پارٹ ٹائم بھی رہے تو بھی پاور فل ہوتی ہے۔“

وہ محبت کی ٹائمنگ سیٹ کر رہا تھا۔ اسے ایک بار پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ اس کا جی چاہا۔ اپنے ہاتھوں میں پکڑی یہ مولی کتاب اپنے ہی سر پہ دے مارے کیونکہ اس کے سر پہ مارنے سے فائدہ بھی کوئی نہیں تھا۔



ٹیٹھو مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ ”بہت بری پھنسی ہو تم عشوہ بی بی اچلو اب یہ شعر پڑھا کرو۔“

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا ٹھنڈی آہیں بھرنا بھی لازمی ہے۔“ وہ جلتی پرتیل چھڑک رہی تھی۔

”وہ الو کہیں کا کمپروماز کو ویری سہیل کہتا ہے اسے کیا پتا محبت کیا ہوتی ہے۔ وہ گدھا محبت کا بھی ٹائم نیبل بنائے گا۔“ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آٹھ

”میرا دل کیوں دکھے گا۔“ اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔
”تمہیں اچھا لگتا ہے ناں؟“ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔
”ہاں!“

”محبت بھی ہے؟“
”شاید!“ وہ سر جھکاتے ہوئے اپنے ہاتھ کے ناخنوں کو دیکھنے لگی تھی۔

”لیکن اسے سیدھا کیسے کیا جائے؟“ اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”اب میں تمہارے کسی پلان پر عمل کرنے والی نہیں ہوں بس جو میری قسمت میں ہو گال جائے گا۔“ اس نے خاصا دادی لہاں والا اشارہ کیا۔
”یہ تم قسمت پر کب سے یقین کرنے لگیں؟“ اس نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

”جب سے تجربے ناکام ہوئے ہیں۔“ اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

”اچھا دیکھو۔ اب ایسے تو مت بیٹھو نا۔ چلو کہیں باہر چلتے ہیں صائمہ اور معمر کی فلم لگی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں۔“ وہ اس کی ہمت بندھاتے ہوئے بولی۔

”مجھے نہیں دیکھنی۔ میں آتا گئی ہوں۔ اس ماں بیٹے کی محبت سے۔“ اس نے آکٹا ہٹ سے کہا۔

”او کے میرا بھی موڈ نہیں ہو رہا تھا لیکن پلیز تم تو اپنا موڈ ٹھیک کرو ناں وہ کہیں نہیں جائے گا ہمیشہ بیس رہے گا تمہارے ساتھ کیونکہ اسے صرف اور صرف تمہارا ہی بننا ہے۔“

”تم یہ بات کیسے کہہ سکتی ہو؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بس ایک آئینہ دیا ہے میرے ذہن میں اس پر عمل کر لو تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“

”پھر!“ وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

”سن تو لو۔ کامیابی نہ ہوئی تو نختے پر چڑھنے کو تیار ہوں۔“ وہ اس کے قریب کھٹکتے ہوئے بولی اور ایک دفعہ پھر سرگوشیاں شروع ہو گئی تھیں۔

آٹھ آنسو روئے۔
”کہہ رہا تھا عشق تو کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی سے ہو ہی جائے گا اور شادی بھی۔ ہائے میثو! یہ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی کون ہے؟“ وہ تو اس نادیدہ حسینہ سے جلنے لگی۔

”بس تمہارے برے نصیب۔ اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔“ اس کے ”برے نصیب“ کہنے پر وہ اسے بری طرح گھورنے لگی تھی۔

”یہ چھوٹی بھابھی کا تکیہ کلام ہے۔ وہ روزانہ اپنے برے نصیبوں کو کوستی ہیں۔“ وہ حسب عادت شرمندہ ہوئے بغیر بولی تھی۔

”یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے نہ میں تم سے مشورہ لیتی نہ یہ سب کچھ ہوتا۔“ اس نے بڑی ڈھٹائی سے سارا الزام اس کے سر رکھا تھا۔

”جی نہیں میرے مشورے انتہائی مناسب تھے۔ اب ان تلوں میں ہی تیل نہیں تھا تو میرا کیا قصور۔

ویسے بھی یہ سب تمہاری کم عقلی کی وجہ سے ہوا ہے۔ ایک بندے بشر کو انسپائر نہیں کر سکتیں تم۔ بالکل فضول لڑکی ہو۔“ اس نے بید پر اوندھا لیتے ہوئے کہا۔

”جو کچھ بھی ہوا ہے۔ اب میں نے توبہ کر لی ہے اب میں تمہارے کسی بھی مشورے پر عمل نہیں کروں گی۔ پہلا تجربہ بھی ناکام ہوا اور دوسرا بھی۔ اب میں تیسرا کوئی ایکسپیریمنٹ نہیں کروں گی۔ سمجھتا کیا ہے وہ اپنے آپ کو۔ ذرا سی دو جماعتیں ہی مجھ سے زیادہ پڑھا ہے نا۔ یو این او کا ممبر تو نہیں بن گیا۔“ اس کے ”ذرا سی دو جماعتیں“ کہنے پر میثو کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

”اتنے رقیبانہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کچھ لحاظ کرو۔ اس کی سولہ جماعتوں کو تم نے ذرا سی دو جماعتیں بنا دیا اور ویسے بھی تم ابھی گریجویٹ نہیں ہو میں جو اپنے آپ کو اس سے صرف دو سال ہی جونیئر سمجھو۔ مانا کہ تمہارا دل دکھا ہوا ہے مگر کسی شہ رگ پر پاؤں رکھنے سے کیا ہو گا۔“ وہ ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”تم نے رقیبانہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کچھ لحاظ کرو۔ اس کی سولہ جماعتوں کو تم نے ذرا سی دو جماعتیں بنا دیا اور ویسے بھی تم ابھی گریجویٹ نہیں ہو میں جو اپنے آپ کو اس سے صرف دو سال ہی جونیئر سمجھو۔ مانا کہ تمہارا دل دکھا ہوا ہے مگر کسی شہ رگ پر پاؤں رکھنے سے کیا ہو گا۔“ وہ ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”تم نے رقیبانہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کچھ لحاظ کرو۔ اس کی سولہ جماعتوں کو تم نے ذرا سی دو جماعتیں بنا دیا اور ویسے بھی تم ابھی گریجویٹ نہیں ہو میں جو اپنے آپ کو اس سے صرف دو سال ہی جونیئر سمجھو۔ مانا کہ تمہارا دل دکھا ہوا ہے مگر کسی شہ رگ پر پاؤں رکھنے سے کیا ہو گا۔“ وہ ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

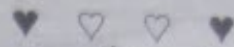
”تم نے رقیبانہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کچھ لحاظ کرو۔ اس کی سولہ جماعتوں کو تم نے ذرا سی دو جماعتیں بنا دیا اور ویسے بھی تم ابھی گریجویٹ نہیں ہو میں جو اپنے آپ کو اس سے صرف دو سال ہی جونیئر سمجھو۔ مانا کہ تمہارا دل دکھا ہوا ہے مگر کسی شہ رگ پر پاؤں رکھنے سے کیا ہو گا۔“ وہ ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”تم نے رقیبانہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کچھ لحاظ کرو۔ اس کی سولہ جماعتوں کو تم نے ذرا سی دو جماعتیں بنا دیا اور ویسے بھی تم ابھی گریجویٹ نہیں ہو میں جو اپنے آپ کو اس سے صرف دو سال ہی جونیئر سمجھو۔ مانا کہ تمہارا دل دکھا ہوا ہے مگر کسی شہ رگ پر پاؤں رکھنے سے کیا ہو گا۔“ وہ ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”تم نے رقیبانہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کچھ لحاظ کرو۔ اس کی سولہ جماعتوں کو تم نے ذرا سی دو جماعتیں بنا دیا اور ویسے بھی تم ابھی گریجویٹ نہیں ہو میں جو اپنے آپ کو اس سے صرف دو سال ہی جونیئر سمجھو۔ مانا کہ تمہارا دل دکھا ہوا ہے مگر کسی شہ رگ پر پاؤں رکھنے سے کیا ہو گا۔“ وہ ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”تم نے رقیبانہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کچھ لحاظ کرو۔ اس کی سولہ جماعتوں کو تم نے ذرا سی دو جماعتیں بنا دیا اور ویسے بھی تم ابھی گریجویٹ نہیں ہو میں جو اپنے آپ کو اس سے صرف دو سال ہی جونیئر سمجھو۔ مانا کہ تمہارا دل دکھا ہوا ہے مگر کسی شہ رگ پر پاؤں رکھنے سے کیا ہو گا۔“ وہ ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”تم نے رقیبانہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کچھ لحاظ کرو۔ اس کی سولہ جماعتوں کو تم نے ذرا سی دو جماعتیں بنا دیا اور ویسے بھی تم ابھی گریجویٹ نہیں ہو میں جو اپنے آپ کو اس سے صرف دو سال ہی جونیئر سمجھو۔ مانا کہ تمہارا دل دکھا ہوا ہے مگر کسی شہ رگ پر پاؤں رکھنے سے کیا ہو گا۔“ وہ ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔



”جل کے دل خاک ہوا آنکھ سے رویا نہ گیا۔“
 آج کل اسے اپنا دل اسی مصرع میں ڈھلا ہوا لگ
 رہا تھا وہ مکمل طور پر اسے نظر انداز کر رہی تھی جہاں وہ
 ہوتا۔ یہ وہاں قدم نہ رکھتی۔ وہ کوئی بات پوچھتا۔
 محترمہ ہوں ہاں کے علاوہ زبان نہ ہلاتیں اور پچھلے دس
 دن سے ایسا ہی ہو رہا تھا۔ آج بھی وہ اور تائی امی کافی دیر
 سے آئے بیٹھے تھے لیکن وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلی
 تھی۔ کیا فائدہ مزید دل جلانے کا یوں بھی آج کل اس
 کا دل درد پلے گیت بننے کو چاہتا تھا۔ کمرے میں ”پہلے
 تو کبھی کبھی غم تھا“ گونج رہا تھا۔ جب درد ہی ہلکا کرنا ہے
 تو کیوں نہ فارسٹ میوزک میں کیا جائے۔ یہ کیا کہ دو
 گھنٹے تک ایک ہی گیت سنتے رہو۔ یوں بھی درد فارسٹ
 یا سلو نہیں ہوتا۔ درد تو بس درد ہوتا ہے۔ شکر غم کی
 انتہا پر پہنچا ہوا تھا۔ جب ماما اس کے کمرے میں داخل
 ہوئیں۔ اس نے فوراً ”آگے بڑھ کر ڈیک آف کر دیا۔“
 ”یہ کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں۔ اتنی ال مینورڈ تو تم
 کبھی بھی نہ تھیں۔“ وہ سخت غصے میں تھیں۔
 ”کیا ہوا؟“ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
 ”پچھلے دو گھنٹے سے بھابھی اور حیدر نیچے بیٹھے ہیں
 اور تم نے ایک بار جھانک کر بھی نہیں دیکھا وہاں۔ کیا
 سوچتی رہی ہوں گی کیا تربیت دی ہے میں نے اپنی بیٹی
 کو۔“ ماما کی بات پر اس نے ٹھنڈی آہ بھری (ہائے ان کو
 کیا واسطہ آپ کی بیٹی سے ماما!)

”اب جلدی سے نیچے آؤ۔“ وہ اسے گھورتی ہوئی
 واپس چلی گئیں اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر
 ایک غمزہ نظر اپنے آپ پر ڈالی تھی اور پھر باہر نکل آئی
 نیچے پہنچ کر اس نے تائی امی کو سلام کرتے ہوئے اسے
 مکمل طور پر نظر انداز کیا تھا۔
 ”سورہی تھیں؟“ تائی امی نے اس کے سر پر پیار
 دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

”جی!“ وہ ”نہیں۔“ کہتے کہتے رک گئی۔
 ”بیٹا! یہ کون سا وقت ہوتا ہے سونے کا۔ اب تو
 خاصی شام ہو گئی۔“ ان کی بات پر وہ محض مسکرا کر رہ

گئی تھی۔
 ”آپا نہیں آتی ہیں کیا؟“ اب اسے کچھ تو پوچھنا
 تھا۔

”کل آئے گی۔ فون آیا تھا اس کا۔ مل آیا کرو تم بھی
 کبھی کبھار۔ یوں بھی فارغ ہو آج کل۔“ وہ پھر محض
 جی کہہ کر رہ گئی۔

”رات کو جا رہا ہے حیدر اس کی طرف۔ جی چاہے تو
 ساتھ چلی جانا۔“ ان کی فراخ دلانہ آفر پر وہ بوکھلا گئی۔

”آج میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔ میں پھر
 کسی روز چلی جاؤں گی۔“ اس نے بروقت بہانا سوچہ
 جانے پر شکر ادا کیا تھا۔

”چلو جیسے تمہاری مرضی!“ تائی امی کی یہی بات تو
 اسے اچھی لگتی تھی کہ وہ کبھی بھی اپنی بات دوسرے پر
 مسلط نہیں کرتی تھیں۔

ماما اور تائی امی کے درمیان روایتی دیورانی جھٹائی
 والی چپقلش کبھی بھی نہیں رہی تھی اور اس بات کی
 مثال تو تمام فیملی ممبرز دیتے تھے جب وہ دونوں اکٹھے
 رہتی تھیں تب بھی اور اب جبکہ وہ علیحدہ تھیں تب
 بھی خلوص اور محبت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

”عشوہ! میں اور حیدر بھائی کے ایف۔ سی جا
 رہے ہیں۔ تم چلو گی؟“

فیصل کی بات کے جواب میں ابھی وہ کچھ کہنے ہی
 والی تھی کہ ماما بول پڑیں۔

”نہیں عشوہ کہیں نہیں جائے گی اسے بہت سے
 کام کرنے ہیں۔ جاؤ بیٹا تم کچن میں۔“

ماما کی بات پر وہ خاصی حیران ہوئی۔ ”کچن میں تو میں
 چلی جاؤں گی لیکن اس سے آگے۔“ اس نے کچن کی
 طرف جاتے ہوئے سوچا یوں بھی اس کا وہاں بیٹھنے کو
 دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ اٹھنے کا بہانہ تو مل گیا تھا لیکن
 یہ بہانہ اتنا محنت طلب ہو گا۔ اس کا اسے گمان نہیں
 تھا۔ ماما اس کے پیچھے ہی کچن میں چلی آئی تھیں اور ڈنر
 کا مینوسن کر تو اس کے طوطے اڑ گئے تھے۔

”بریانی بنا لینا۔ چائپ کا گوشت فریج میں رکھا
 ہے۔ وہ بھی نکال لینا۔ مصالحہ وغیرہ سب کچھ لگا ہوا

ڈاکٹر بشیر بدر کی غزلوں کے مجموعے

- * آمد — غزلیں — 120/-
 - * آسمان — غزلیں — 90/-
 - * امیج — غزلیں — 90/-
 - * آہٹ — غزلیں — 90/-
 - * آس — غزلیں — 120/-
 - * کوئی شام گھر بھی رہا کرو (انتخاب) — 120/-
 - * کلیاتِ بشیر بدر (تفہیم) — 100/-
- نوٹ: کلیاتِ بشیر بدر میں نیا مجموعہ "آس" بھی شامل ہے۔

دل کے گہرائیوں میں اتر جانے والے انتہائی خوبصورت غزلیں نئے ایڈیشن انتہائی خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ شائع ہوئے ہیں

سول ایجنٹ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار کراچی فون 216361

تھیں زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔ صابرہ کو بھی اپنے ساتھ لگا لیتا۔ میں بھی جیتی ہوں اسے۔ وہ بڑے اطمینان سے کہتے ہوئے باہر نکل گئی تھیں۔

"مجھے برائی اور چاہ بہت پسند ہے۔" اس کی تواضع اس کے کانوں میں گونجی تھی۔ "زہر نہ بنا دوں تمہارے لیے۔" وہ جلتے ہوئے بددیوانی اور ماما کو مجھے سکھانے کا اچانک خیال کیسے آگیا۔ یوں تو بچن میں گھنے نہیں دیتیں اور صابرہ کو ساتھ لگا لوں۔ اسے برائی بنانی آتی ہے کیا۔ اس نے فریج سے چکن اور چاہ نکال کر سنک پر پٹختے تھے۔

"ہیکم صاحبہ کہہ رہی ہیں۔ میں بچن میں آپ کے ساتھ کام کرواؤں۔ یہ آپ کو ہوا کیا ہے آخر؟" صابرہ نے اندر آتے ہوئے کہا اور آخر میں اس کی بچن میں موجودگی پر بھی طنز فرما دیا۔ وہ کچھ نہیں بولی چونکہ غصہ بہت تھا۔

"میرے ہاتھ میں خارش ہو رہی ہے۔ میرے دادا کو طاعون کی بیماری تھی لگتا ہے مجھے بھی وہی ہو گئی ہے۔" اس نے انتہائی لگن سے اپنی بیماری کا ذکر کیا

"اب اگر تم طاعون سے مر بھی جاؤ گی تو بھی میں نہیں بچن سے باہر نہیں جانے دوں گی۔" وہ سکون سے پیاز کی ٹوکری اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

"میں ابھی آتی ہوں اور جب میں واپس آؤں تو پیاز کاٹ چکی ہو۔" اس نے باہر نکلتے ہوئے کہا اور جب وہ کھانا منٹ بعد ترکیبوں والی کتاب لے کر واپس آئی تو وہ واقعی پیاز کاٹ چکی تھی۔ اب اس کتاب کے بارے برائی بنانا کچھ مشکل بھی نہیں تھا۔ اس نے برائی کی ترکیب کھول کر درمیان میں صفحہ پلٹ جانے کے ڈر سے ایک چمچ رکھا اور درود شریف پڑھنے کے بعد کام شروع کر دیا۔

"ایک گلاس پانی مل جائے گا؟" وہ جو چکن کا مسالا ہاتھ ہوئے کتاب میں سر دے کر کھڑی تھی۔ ہڑبڑا کر پلٹیں۔ جینٹلس دروازے میں کھڑا تھا اور یقیناً

میں اتنی ہیں کیا؟" اب اسے کچھ یاد آئے گی۔ فون آیا تھا اس کا۔ مل گیا کہ وہ گئی۔ یوں بھی فارغ ہو آج کل۔

ت کو جا رہا ہے حیدر اس کی طرف سے میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔ چلی جاؤں گی۔" اس نے بروقت بہانا دیا۔

میں تمہاری مرضی! تائی امی کی بات مان لگتی تھی کہ وہ کبھی بھی اپنی بات دوسرے سے نہ کر رہی تھیں۔

تائی امی کے درمیان روایتی دیورانی جنم لے کر کبھی بھی نہیں رہی تھی اور اس بات کی م فیملی ممبرز دیتے تھے جب وہ دونوں اکٹھے تے تب بھی اور اب جبکہ وہ علیحدہ تھیں اور محبت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

ہ! میں اور حیدر بھائی کے ایف۔ سی۔۔ تم چلو گی؟

کی بات کے جواب میں ابھی وہ کچھ کہنے نہ ماما بول پڑیں۔

عشوہ نہیں نہیں جائے گی اسے بہت ہیں۔ جاؤ بیٹا تم بچن میں۔

بات پر وہ خاصی حیران ہوئی۔ "بچن میں توئی لگی لیکن اس سے آگے۔" اس نے بچن میں اتے ہوئے سوچا یوں بھی اس کا وہاں نہیں چاہ رہا تھا۔ اچھے کا بہانہ تو مل گیا تھا۔

انتا محنت طلب ہو گا۔ اس کا اسے کمان اس کے پیچھے ہی بچن میں چلی آئی تھیں۔

کر تو اس کے طوطے اڑ گئے تھے۔

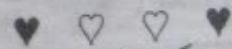
نا لینا۔ چاہ کا گوشت فریج میں

اس کے ہاتھ میں پکڑی کتاب بھی دیکھ چکا تھا۔ اس اچانک چھاپے پر اسے طیش تو بہت آیا مگر کما کچھ نہیں۔ پہلے تو جی چاہا صابرہ سے کہہ دے مگر پھر کچھ مناسب محسوس نہیں ہوا تو خود ہی فرج میں سے بومل نکال کر گلاس میں پانی بھر اور اس کی طرف بڑھا دیا۔
”ان ترکیبوں سے کھانا اچھا بن جاتا ہے کیا؟“ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

”جی! اس نے بڑے تحمل سے جواب دیا تھا۔
”سب کھا لیتے ہیں؟“ وہ انتہائی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا جبکہ لہجے کی شرارت صاف عیاں تھی۔
”جی ہاں! اس نے خاصا چباتے ہوئے کہا۔
”عموماً تم کتنی دیر میں کھانا بنا لیتی ہو؟“ اب یقیناً ساری دنیا کی خواتین کے کوکنگ شیڈول بتائے جائیں گے۔ اس نے کڑھتے ہوئے سوچا۔
”صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔“ اس نے تنکٹے ہوئے کہا تھا۔

”اس کا مطلب ہے آج میٹھی بریانی کھائیں گے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”آپ کو کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو کیسے؟“ وہ اسے وہاں سے ٹالنا چاہ رہی تھی۔
”ضرورت تو ہے مگر اپنی وے۔ تم بہت مصروف ہو اس وقت۔ پانی کے لیے شکریہ۔“ وہ کہتے ہوئے واپس پلٹ گیا۔

”لگتا ہے تیر نشانے پہ لگ گیا اب آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے سوچا اور چاولوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔



آج کل ملانے پکڑنے کی ساری ذمہ داری اسے سونپ رکھی تھی۔ تین چار کھانے پکانے کی کتابیں بھی لا کر دی تھیں۔ نجانے انہیں کیا ہو گیا تھا۔ وہ اسے سکھڑ بنانے کی ہر ممکن کوششیں کر رہی تھیں۔ روٹی سے لے کر کھانا پکانے تک وہ ہر کام اسی سے کروا رہی تھیں۔ صبح ناشتہ، دوپہر کا کھانا۔ رات کو فیصل کی فرمائشیں۔ وہ اس روٹین سے اچھا خاصا بوکھلا گئی

تھی۔ اس وقت بھی وہ اسے کھانا پکانے کا کہہ کر ڈھک مار کیٹ چلی گئی تھیں۔ صبح فیصل اسے چکن مشورہ بنانے کا کہہ کر گیا تھا۔ وہ اسی میں مصروف تھی جب ڈور بیل بج اٹھی۔ وہ سب کچھ یونہی چھوڑ کر کیٹ تک گئی۔ اس نے ماما کے خیال سے بنا پوچھے گیٹ کھلوا دی لیکن باہر کھڑی خواتین کو دیکھ کر وہ کچھ شرمندہ ہو گئی۔ وہ ان کو شکل سے تو جانتی تھی مگر نام سے نہیں لہا۔ پھر حال اسے پتا تھا کہ وہ ان کے جاننے والوں میں سے تھیں۔

”آئیے آنٹی!“ وہ انہیں اپنے ہمراہ ڈرائنگ روم میں لے آئی۔
”بیٹھے آپ!“ وہ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

وہ دونوں خواتین سامنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ بھی ان کے سامنے بیٹھ گئی۔
”کیسی ہو بیٹا تم؟“ ان میں سے ایک خاتون نے اس کے ماتھے پر پیار کرنے کے بعد پوچھا۔ وہ ان کے پاس کے اس خاص انداز پر کچھ نروس ہو گئی۔

”والدہ کہاں ہیں تمہاری؟“ دوسری خاتون نے بھی اس کی طرف دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”امی مار کیٹ گئی ہیں۔ ابھی آتی ہی ہوں گی۔“ نروس ہوتے ہوئے بولی۔ ان خواتین کا اس کے ساتھ اتنا گہرا رشتہ تو نہیں تھا کہ وہ اسے اتنا پیار کرتیں۔
”ہے کنفیوز تو ہونا ہی تھا۔“

”بیٹا! ہمیں پہچانتی تو ہوگی تم؟“ وہی پہلو والی خاتون نے پوچھا تھا۔

”جی آنٹی! جانتی ہوں۔“ اس نے کچھ شرمندہ ہوتے ہوئے کہا کیونکہ نام تو جانتی نہیں تھی۔
”اب ماما کی دوست ہیں۔“ اس نے کچھ رکتے ہوئے کہا۔
”بالکل ٹھیک پہچانیں تم۔ ماشاء اللہ بہت ذہین بنی ہو۔“

”کیا کر رہی ہو آج کل؟“ وہ ہر بات مسکرا کر پوچھتی تھیں۔
”بی اے کے ایگزام دیئے ہیں اور اب رزلٹ کا

چکھنے میں وہ کافی سارا کھا چکی تھی اور اب نیند آرہی تھی۔ اس نے اسے سی آن کیا اور وہیں کارپٹ پر سو گئی۔

اسی شام جب وہ سو کر اٹھنے کے بعد منہ دھو کر باہر بنا رہی تھی کہ وہ بنا دستک دیرے اس کے کمرے میں چلا آیا۔
چٹیا بناتے ہوئے اس کے ہاتھ ایک پل کو رکے تھے۔

”ہائے۔۔۔!“ وہ بیڈ کے سامنے بڑی چیخ پر بیٹھتے ہوئے بولا اور پھر کمرے کے چاروں طرف نظر دوڑائی تھی۔ وہ پہلی بار اس کے کمرے میں آیا تھا اور یوں اچانک۔ وہ بہت حیران ہو رہی تھی اور اسے کمرے میں گہری نظر دوڑاتے دیکھ کر شرمندہ بھی۔ آج زندگی میں پہلی بار اسے اپنے کمرے کی سجاوٹ پر شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔ کیا سوچے گا وہ میرے بارے میں لیکن دوسرے ہی پل اس کی سوچ نے پلٹا کھایا تھا۔ اس کی سوچ کا میری زندگی سے کیا تعلق ہے۔ ایک ہوک

انتظار ہے۔“ اس نے بہت سادگی سے جواب دیا۔
”اس کے بعد؟“ ان کا لہجہ بہت معنی خیز محسوس ہوا۔

”اس کے بعد ایم۔ اے میں ایڈمیشن لوں گی۔“

اس کی بات پر وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

”اور اگر ایم۔ اے سے پہلے ہی تمہاری شادی ہو

گئی تو۔“ ان کی باتوں پر اسے کچھ گھبراہٹ ہونے لگی۔

ظاہر ہے نا سمجھ تو تھی نہیں کہ ان خواتین کا گاو محسوس نہ کر سکتی۔ وہ وہاں سے اٹھنے کے بہانے سوچنے لگی

لیکن یہاں سے جانا بھی تو نامناسب تھا۔ وہ اس سے

اس کے متعلق سوال پوچھتی رہیں۔ کون سے اسکول

میں پڑھی ہو کون سے کالج؟ سبھی کٹ کیا پڑھے وغیرہ

وغیرہ۔ وہ بہت مختصر جواب دیتی رہی پھر ان سے پانچ

منٹ کا کہتے ہوئے کچن میں چلی آئی اور جب تک وہ

مینگو اسکوائش بنا کر لائی تب تک ماما بھی آگئیں۔

اس نے دروازہ کھولتے ہی ان عورتوں کے بارے میں

بتا دیا اور یہ بھی کہ وہ کس قسم کی گفتگو کر رہی ہیں۔

”ہوں۔ جاؤ تم۔ اپنا کام کرو اور سنو!“ وہ جو پلٹ

رہی تھی دوبارہ رک گئی۔

”تمہیں اب وہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں دیکھ لوں گی سب۔“

وہ قطعی لہجے میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گئیں تو وہ

بال کمرے سے اندر جانے کے بجائے پچھلے لان کی

طرف سے اندر آگئی۔ کچن میں آنے کے باوجود اس کی

سوچ وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ کیوں آئی ہیں کس لیے آئی

ہیں۔ کافی دیر گزر گئی تھی وہ کام مکمل کرنے کے بعد

اپنے کمرے میں چلی گئی نہ وہ خود بیاہر گئی تھی اور نہ ہی ماما

سے بلانے آئیں۔ کچھ دیر بعد باہر سے آوازیں آنا بند

ہو گئیں تو اس نے ان کے چلے جانے پر شکر ادا کیا۔

کتنی تو بہت ہو رہا تھا لیکن اب ماما سے پوچھ بھی نہیں

سکتی تھی۔ اب باہر مکمل طور پر خاموشی چھا گئی تھی پھر

اس منٹ بعد ماما کی باتوں کی ہلکی ہلکی آواز آنا

شروع ہوئی لیکن وہ باہر نہیں نکلی۔ کچھ تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔ یوں بھی کھانا بناتے ہوئے چکھنے

❀ **تہا مسافر** کے بعد ❀

ذوالقرنین کا دوسرا میناؤل

جب وہ پوئے پھر کو

شائع ہو گیا ہے

قیمت / 45 روپے

ٹاک خرچ / 16 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی

سی اچھی تھی دل سے۔
”آج کون آیا تھا یہاں؟“ وہ بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

”کون آیا تھا؟“ وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔
”کوئی دم خواتین آئی تھیں؟“

”ہاں۔ وہ ماما کی دوست ہیں تاہم آئی تھیں۔“ وہ اس کی انفارمیشن پر حیران ہو رہی تھی اسے کیسے پتا چلا کہ کوئی آیا تھا اور اگر آیا بھی تھا تو اس کا کیا واسطہ ہے اس بات سے۔

”کیوں آئی تھیں؟“ وہ اب بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔
”مجھے کیا پتا۔ کیوں آئی تھیں۔“ وہ چڑ کر بولی۔

”وہ تمہارے لیے پروپوزل لے کر آئی تھیں۔“
اس نے اپنی طرف سے دھماکہ کیا تھا لیکن وہ ان کے آنے کا تھوڑا بہت تو مقصد سمجھ ہی چکی تھی۔ لہذا اس دھماکے نے اس پر کوئی خاص اثر نہیں کیا۔

”اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔
لڑکیوں کے پروپوزل تو آتے ہی ہیں۔“ اس نے یوں اکثرتے ہوئے کہا جیسے رشتوں کی لائن لگی ہو۔
”مجھے لڑکیوں کے پروپوزل آنے پر اعتراض نہیں ہے لیکن جب ہمیں کوئی پروپوز کرے گا تو مجھے غصہ آئے گا۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے بولا تھا۔

”کیوں میری شادی نہیں ہو سکتی کیا؟“ اس نے بہت حسرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تمہاری شادی ہوگی لیکن صرف اور صرف مجھ سے اور اگر ہمارے درمیان کوئی ٹانگ اڑانے کی کوششیں کرے گا تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔“
اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا؟“ ادھر تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے لگے تھے۔ یہ جھینس کیا کہہ رہا تھا کیس ”بی“ کر تو نہیں آیا وہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

”میں صاف لفظوں میں کہی ہوئی بات کہتی تھی۔
سمجھ میں نہیں آتی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”لیکن یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟“ اس پر تو مجھے شادی مرگ والی کیفیت تھی مگر اب کچھ اڑی بھی تو دکھائی تھی یہ کیا کہ وہ اقرار کرے اور میں کہہ دوں ”ہاں۔“

”ممکن کیوں نہیں ہے جبکہ ہماری منگنی بھی ہو چکی ہے۔“ اس کی مسکراہٹ گہری ہو چکی تھی۔

”کیا؟“ اس انکشاف پر تو وہ حیرت کے ساتویں سمندر میں پہنچ گئی تھی۔

”تمہاری باخبری پر کافی صدمہ پہنچا ہے مجھے۔“
دوبارہ جا کر چیخ کر بیٹھ گیا تھا۔

”مجھے آپ کی کسی بھی بات پر یقین نہیں آ رہا۔“
ڈریسنگ ٹیبل سے ٹیک لگا کر پیچھے کارپٹ پر بیٹھے ہوئے بولی۔

”چھ ماہ پہلے لاہور میں مجھے امی کا فون آیا تھا۔ انہوں نے تمہارے بارے میں مجھ سے میری رائے پوچھی تھی۔“

تھی اور میں نے تمہارے بارے میں کافی اچھی رائے دی تھی اور چچی جان سے کہا تھا کہ اس رشتے کو قائم کرنا ضرور ہے۔

کرنے سے پہلے تم سے ضرور پوچھ لیں لیکن انہوں نے کہا تھا کہ وہ ایک انتہائی احمق لڑکی ہے۔

باتوں کی بالکل سمجھ نہیں۔ لہذا اس سے پوچھنے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے مسکرائی

آنکھوں کے ساتھ پر سکون انداز میں ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے کہا۔

”ایک بہترین فیصلے کے پیچھے اگر ہم سے ہماری رائے نہ بھی لی جائے تو بھی فائدہ ہمارا ہی ہوتا ہے۔“

اس نے دل میں سوچا تھا لیکن کہا نہیں اور کہتی بھی کیوں وہ تو خود کو پہلے ہی ”پچھے خان“ سمجھتا ہے مزہ اکر جائے گا۔

”مجھے لگتا ہے تم کچھ دنوں سے مجھ سے ناراض ہو رہے ہو۔“

نہ ہی میرے لیے کوئی نئی ڈش بنائی اور نہ ہی کسی کتاب پر تبصرہ کیا۔ گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں

رہا ہے ”کاسو“ کا رشتہ دار۔ اسے اپنی سوچ پر خودی
نہی آئی تھی۔

اور وہ مسلسل اس کی طرف دیکھ رہا تھا پھر ایک
خیال کے تحت اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

دیکھو تو خوبی انداز نقش
موج خرام یار بھی کیا گل کٹر گئی
اس نے جس شوخی سے شعر پڑھا تھا وہ جلتے جلتے
ایک دم رک گئی تھی۔ ”آپ باہر تشریف لے جائیں
گے پلیز۔“ اس نے تمام تر مینوز ایک طرف رکھتے
ہوئے کہا تھا۔

”جی ضرور!“ وہ نہایت سعادت مندی سے اٹھ کھڑا
ہوا لیکن دروازے تک جاتے ہوئے دوبارہ واپس پلٹا۔
”سنو یہ پوسٹرز اتار دینا۔ مجھے ان سے جیسی ہو
رہی ہے۔“ اس نے جس انداز میں یہ بات کہی تھی۔
اسے محسوس کر کے وہ کھکھلا کر ہنس پڑی۔

”جی بہتر اب آپ باہر جائیں گے۔“ اس نے
دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”جب آپ ہمارے گھر آئیں گی تو ہم سب سے
پہلے آپ کو آداب میزبانی سکھائیں گے۔“ اس نے
باہر نکلتے ہوئے کہا۔

”جی شکریہ۔“ اس نے بہت ادب سے کہا اور اس
کے باہر نکلتے ہی دروازہ بند کر دیا۔

”میں نے ناحق اتنی محنت کی وہ تو بغیر ہاتھ پاؤں
ہلائے میرا ہو چکا تھا۔ حرکت میں واقعی برکت ہوتی
ہے۔ تائی امی اور ماما کی حرکت کی وجہ سے برکت تو
بہت پہلے سے بڑ چکی تھی۔“ اس نے ہنستے ہوئے سوچا
اور ٹیلی فون کی طرف بڑھ گئی۔

”آخر ٹیشو کا شکریہ بھی تو ادا کرنا تھا۔ آفٹر آل وہ اس
کہانی کا معاون کردار تھی۔ حوصلہ افزائی کا ایوارڈ تو اس
کا حق بنتا ہے اور پھر اس شعر کا مطلب بھی تو پوچھنا تھا
جو موصوف جاتے ہوئے اسے سنا گئے تھے ذرا سا
اظہار عشق اور وہ بھی شعری زبان میں۔ اب ان سے
ترجمہ پوچھتے ہوئے وہ کچھ اچھی تو نہ لگتی۔ ٹیشو کی
ضرورت تو بہر حال ابھی بھی تھی۔ اس نے مسکراتے
ہوئے سوچا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ *

بہت جلدی ہار مان لی تھی۔ کچھ دن اوپر ڈٹ کر مقابلہ
کیا ہوتا۔ کامیابی تو تمہارا مقدر ہونا ہی تھی۔ ایسے بھی
اور ویسے بھی۔ بلا کا شاطر انسان تھا کوئی بات اس سے
چھپی رہ جاتی یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کا جی چاہا اپنا
سر پیٹ ڈالے۔

”خاصا تضاد پایا جاتا ہے آپ کے قول و فعل میں
آپ شاید بھول گئے۔ عشق پیچھے ہوتا ہے اور کیریئر
آگے اور یوں بھی عشق تو آپ کو کبھی نہ کبھی کسی نہ
کسی سے ہو ہی جائے گا اور شادی بھی ہو جائے گی۔
ویسے بھی شادی آپ کی ہیڈک نہیں ہے اور محبت کو
بھی آپ کسی کھاتے میں نہیں گنتے کیونکہ آپ کے
نزدیک کمپروماز کی اہمیت زیادہ ہے یوں بھی آپ کی
بنیاد محبت سے نہیں آپ کے کیریئر سے بنتی ہے ہمیں
اپنے گرد صرف محبت کا جال بچھا کر نہیں بیٹھے رہنا
چاہیے۔ کیونکہ زندگی میں کرنے کو ہمیں اور بہت سے
کام ہیں اور محبت فل ٹائم جاب بھی نہیں ہوتی اسے
بیش پارٹ ٹائم رکھنا چاہیے۔“

وہ ایک ایک بات انگلیوں پر گن رہی تھی اور وہ اس
کی ہر بات پر کھل کر ہنس رہا تھا۔

”مجھے نہیں پتا تھا کہ تم میری باتوں کو اتنے دل و جان
سے سنتی ہو۔ بہت مزہ آرہا ہے مجھے کچھ اور کہو ناں۔“
اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ جو آگے بھی کچھ بولنے
جاری تھی۔ فوراً ”رک گئی۔“

”جی نہیں یہ خوش فہمی ہے آپ کی۔“ اس نے
سرخ ہاتھوں سے کہنا۔

”جیلے مان لیتے ہیں حالانکہ یقین کرنے والی بات تو
نہیں لیکن آپ کا دل رکھنا بھی شرط ہے۔“ وہ یوں ہنسا
جیسے کوئی دانا کسی نادان کی بات پر۔

”میرے قول و فعل میں بالکل بھی تضاد نہیں ہے،
میں نے جو کہا وہی کیا۔ کیریئر بنانے کے بعد ہی ہم نے
عشق کیا ہے۔ یہ بات تو ماننی ہیں آپ۔“ وہ بغور اسے
دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

وہ بے حد نروس ہو گئی۔ اپنی کیفیت چھپانے کے
لیے خواہ مخواہ دھڑکنے لگی۔ ”اسے کیا ہوتا جا
ہا ہے۔ یہ ایسی باتیں بھی کر سکتا ہے۔ کتنا عجیب لگ